خلاصہ جات: اُردو لازمی   سالِ اول
ترتیب و تالیف: کاشف بشیر کاشفؔ (ایم۔فل اُردو)
0333-6912300

سبق نمبر 5 : ادیب کی عزت

(خلاصہ)

اشارات

1۔ صبح کے وقت قمر کا معمول/ناشتہ
2۔ ادبی خدمت/کسبِ معاش
3۔ حضرت قمر کی مایوسی
4۔ راجا صاحب کی دعوت/قمر کی خوشی
5۔ لباس پر سکینہ اور قمر کی گفتگو
6۔ گھر سے روانگی۔۔دکانداروں سے ملاقات
7۔ تقریب میں استقبال
8۔ راجا صاحب اور دوستوں سے مباحثہ
9۔ حضرت قمر کا پچھتاوا
10۔ گھر واپسی

مصنف کا نام: منشی پریم چند

خلاصہ

صبح کے وقت حضرت قمر نے بغیر دودھ اور چینی کے **بیس دفعہ** اُبالی ہوئی چائے سے ناشتا کیا۔ پھٹے پرانے لحاف میں سوئی بیوی کو جگانا اُنھوں نے مناسب نہ سمجھا اور پھر وہ کتاب لکھنے میں محو ہو گئے جس کے بارے میں اُن کا خیال تھا کہ یہ کتاب **صدی کی بہترین تصنیف** ہو گی اور اُنھیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دے گی۔ بیوی بیدار ہو کر ان کے پاس آئی اور چائے کے بارے میں پوچھا۔ قمر صاحب نے بتایا کہ وہ چائے پی چکے ہیں۔ بیوی نے بغیر چینی اور دودھ چائے پینے پر تعجب کا اظہار کیا مگر حضرت قمر کے نزدیک چینی اور دودھ والی چائے **رئیسوں کی ایجاد** تھی۔ وہ سادہ چائے کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔ جوانی میں ہی اُنھیں **ادبی خدمت کی بیماری** لاحق ہو گئی تھی، چنانچہ **کسب معاش** کے کسی اور ذریعے کی طرف توجہ نہ کی۔ **چالیس سال** کی عمر میں ہی اُن کی صحت گھل چکی تھی کہ وہ بوڑھے محسوس ہوتے تھے۔ صبح سے رات گئے تک ادب کی تخلیق کے باوجود پذیرائی نہ ملنے پر انھیں یہ شبہ ہونے لگا تھا کہ ان کے مضامین میں کوئی خوبی نہیں۔ یہ بڑی **حوصلہ شکنی** کی بات تھی۔ البتہ ان کی بیوی **سکینہ** ہر پل ان کی دلجوئی کیا کرتی تھی اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتی تھی۔ ان کی حالت دیکھ کر سکینہ انھیں سیر کا مشورہ دیا۔ مگر قمر صاحب سیر کو **وقت کا ضیاع** سمجھتے تھے اُن کا خیال تھا کہ سیر صرف سرکاری ملازم یا وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اس سے کوئی مالی نقصان نہیں ہوتا۔ بیوی کے اصرار پر انھوں نے جواب دیا کہ کہ میں **مل کا مزدور** ہوں اور مزدور سیر نہیں کرتا کیونکہ اسے **روٹیوں کے لالے** پڑے ہوتے ہیں۔ مجھے زندگی کا بوجھ مزید اٹھانے کی خواہش نہیں۔ قمر صاحب کی مایوسی کی انتہا کو پہنچ تھے مگر سکینہ کو یقین تھا کہ قمر صاحب کو اس **محنت کا پھل** ضرور ملے گا۔

ایک **رئیس** کے یہاں کوئی تقریب تھی۔ اس نے حضرت قمر کو بھی مدعو کیا تھا۔ آج وہ بہت خوش تھے۔ سارا دن سوچتے رہے کہ **راجا صاحب** کس طرح ان کا استقبال کریں گے۔ کس موضوع پر گفتگو ہو گی اور وہ کن الفاظ میں جواب دیں گے۔ دوپہر ہی سے انھوں نے تیاریاں شروع کیں۔ مزاج کے برعکس سراب زندگی کی بجائے انھوں نے زندگی کو **باغ سے تشبیہ** دیتے ہوئے تقریب کے لیے نظم لکھی۔ موزوں لباس نہ ہونے کی وجہ

سے سکینہ نے انھیں تقریب میں نہ جانے کا مشورہ دیا۔ قمر نے کہا کہ جنھیں خدا نے دل دیا ہے وہ آدمیوں کا لباس نہیں دل دیکھتے ہیں۔ شاعر کی قیمت اس کی نظمیں ہوتی ہیں۔ مجھے نادم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سکینہ کو ان کی سادگی پر ترس آ گیا۔ وہ جانتی تھی کہ دعوت میں سب کی نگاہ دوسروں کے کپڑوں پر پڑے گی۔ اس پر قمر صاحب نے فیصلہ کیا کہ وہ چراغ جلنے کے بعد دعوت میں جائیں گے تاکہ ان کی خستہ حالی اندھیرے میں نظر نہ آئے۔ سکینہ نے ایک بار پھر انھیں جانے سے روکا تو حضرت قمر نے جواب دیا کہ اعزاز و احترام کی بھوک روح کے ارتقا کی منزل ہے۔ میں اسے معیوب نہیں سمجھتا۔ سکینہ نے بحث سے جان چھڑاتے ہوئے بتایا کہ گھر کا خرچہ ختم ہو گیا ہے۔ اب ادھار لینا بھی ممکن نہیں۔ جواب میں قمر نے کہا کہ میں بھی مقروض ہوں۔ اخبارات سے رقم آنے والی ہے۔ میرا کام محنت کرنا ہے اس کے باوجود بھوک نصیب میں ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں تو عید کے دن بھی تخلیق میں مصروف رہتا ہوں اگر دنیا قدر نہیں کرتی نہ کرے۔ میرے لیے یہی کافی ہے کہ آج میں راجا صاحب کا مہمان ہوں۔ ان کے لہجے میں نخوت پیدا ہو گئی۔ انھوں نے سر شام ہی راجا صاحب کے ہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ شام کے وقت حضرت قمر اپنی پھٹی پرانی اچکن پہنے گھر سے نکلے تو اٹھائی گیرے کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ عام طور پر وہ قرض خواہ دکانداروں سے چھپتے تھے لیکن آج غرور کی عالمت بنے اُن کے سامنے سے جا رہے تھے۔ بازار سے دو بار گزرنے پر بھی کسی نے ان کی طرف نہ دیکھا تو وہ خود ہی حافظ صمد بساطی کی دکان پر جا کھڑے ہوئے۔ حافظ صاحب نے انھیں دیکھا تو ابھی تک چھاتے کی رقم نہ ملنے کا شکوہ کیا۔ قمر نے بتایا کہ وہ اس وقت تو راجا صاحب کے ہاں دعوت پر جا رہے ہیں۔ حافظ صاحب مرعوب ہو گئے اور اُن کا انداز بدل گیا۔ انھوں نے حضرت قمر سے کہا کہ راجا صاحب کی توجہ اگر ان کی دکان پر پڑ جائے تو اُن کا کام بھی نکل پڑے گا۔ یہاں سے اٹھ کر قمر صاحب ایک کپڑے والے کی دوکان پر رکے۔ اس نے بھی اپنی رقم کا تقاضا کیا۔ قمر صاحب نے کہا ذرا راجا صاحب کے یہاں سے ہو آؤں پھر کچھ سوچتا ہوں۔ یہ بھی مرعوب ہو گئے اور خاطر تواضع کرنے لگے۔ دکاندار نے حضرت قمر سے کہا کہ وہ راجا صاحب کے خزانچی سے کہیں کہ وہ راجا صاحب کا پرانا حساب بے باق کر دے۔ حضرت قمر جب راجا صاحب کے بنگلے کے سامنے پہنچے تو دیے جل چکے تھے۔ قمر کا حلیہ دیکھ کر دربان نے اُنھیں روک کر کارڈ مانگا۔ قمر کو اپنی توہین محسوس ہوئی کیونکہ باقی لوگ بلا روک ٹوک اندر جا رہے تھے۔ انھوں نے دربان سے کہا کہ راجا صاحب سے کہہ دینا، قمر آیا تھا اور لوٹ گیا۔ راجا صاحب کا نام سن کر دربان نے روایتی انداز میں حضرت قمر کی خوشامد کی اور اندر جانے دیا۔ قمر کو دیکھتے ہی راجا صاحب نے خیر مقدم کیا اور بیٹھے ہوئے احباب سے تعارف کروایا۔ ایک صاحب انگریزی سوٹ پہنے، قمر کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے بائرن شیلے اور ٹینی سن کو استادانِ فن قرار دیتے ہوئے قمر کو ان کی شاعری کا ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا۔ قمر نے انگریزی شاعری کو روحانیت سے عاری قرار دیا۔ انگریزی سوٹ میں ملبوس شخص نے جواب میں دیسی شاعروں کو شاعری سے نابلد قرار دیا۔ قمر نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے کہا کہ میرا خیال ہے آپ نے دیسی شعرا کا کلام دیکھا اور سمجھا نہیں۔ اس پر راجا صاحب بھڑک اٹھے اور بتایا کہ انگریزی پوش صاحب کے مضامین انگریزی اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ ہر آنے والے نے قمر کی حالت دیکھ کر انھیں "اچھا آپ شاعر ہیں" کہہ کر طنز کیا۔ اپنی تذلیل پر حضرت قمر سیخ پا ہو گئے۔ اتنے میں جلسہ شروع ہو گیا۔ مہمان خصوصی یورپ سے ڈگری لے کر آنے والا کوئی شخص تھا۔ راجا صاحب نے قمر سے کہا کہ وہ اپنی نظم پڑھیں۔ قمر صاحب نے نظم پڑھنے سے انکار کر دیا کہ میں کوئی میراثی یا بھاٹ نہیں ہوں اور اٹھ کر گھر چلے آئے۔ سکینہ نے جلد واپس آنے کی وجہ پوچھی تو قمر صاحب بولے کہ آج مجھے سبق مل گیا ہے کہ میں چراغ ہوں اور جلنے کے لیے ہوں۔ میرا جھونپڑا ہی میری جنت ہے اور ادبی خدمت پوری عبادت ہے۔